

پہلی سدھوا کے انگریزی ناول ”دی کرو ایٹرز“ اور اس کے اردو ترجمے ”جنگل والا صاحب“ کا نظریہ مکرر تحریر کی روشنی میں ایک متضاد تجزیہ

Abstract:

'The Crow Eaters' is a comedy novel written in 1978 by Bipsy Sidhwa. This was Sidhwa's first novel. It was initially self-published in English in 1978, which was published by 'Ilmi Printing Press, Lahore' from Pakistan. In 1980, it was published by Sangam Books in Mumbai, India, and Cape in London. It has been reprinted several times including in 2015 by Downt. It was translated into Urdu by Muhammad Umer Memon in 2012 as 'Jungle wala Sahib'. And it was published from Pakistan under the banner of Al-Qa Publications, Lahore. This is a study that chooses the English work for 'Contradictory Research' and its Urdu translation - based on The Theory of Andre Lefevere. This study in-depth analyses the difference between theory and poetics between the two versions and examines the reasons for support from Urdu readers influenced by theory and poetics. This study comes to the following conclusions in terms of theory: The impact of social ideology on the translator and understanding of the characters on the translator. And the understanding of the characters of the translator have created a language difference between the two versions. From the point of view of poetics, the terms of the original English text are relatively simple and easy to understand, while Urdu translator uses a large number of allusions, folk adages and rhetorical devices to create interest. A contrastive analysis of two versions in the light

of The Theory of Rewriting provides a completely new approach to the study of translation of novels. Translation Studies is no longer confined to the linguistic level, but to the macro level such as culture and society.

Keywords:

Novel, Translation, Umar Memon, Contrastive Analysis, Rewriting Theory
Ideology and Poetics, Andre Lefevere

یہ ناول تقسیم ہند سے پہلے کے ہندوستان میں ایک پارسی خاندان جنگل والوں اور وسطی ہندوستان سے لاہور شہر جانے کے بارے میں ہے۔ ناول کا آغاز خاندان کے سرپرست تاجر فریدون جنگل والا کی موت سے ہوتا ہے۔ فریدون کے اپنی ساس کے ساتھ تنازعات ناول کے بہت سے مزاحیہ مناظر فراہم کرتے ہیں۔ اس میں شروع سے ہی اختتام کا احساس ہے۔ زیادہ تر ناولوں کے برعکس پیسی سدھوا کا 'The Crow Eaters' ایک موت کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ عظیم فریدون جنگل والا مرنے کے لیے تیار ہے اور اس راستے کے ذریعے شان کی ایک اور سطح تک پہنچ جائے گا۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ وہ مختصر اختصار کے لئے فریڈی ہیں، ایک ہی انداز میں آسان اور مانوس، جیسے ہمیں کسی دوست سے متعارف کرایا جا رہا ہو۔ پھر اسے بولڈ برش اسٹروکس میں "حیرت انگیز خوبصورت، شیریں لحن اور خطرات میں بے خوف کود پڑیوالا" قرار دیا جاتا ہے جس میں اتنے کم سکرپلز ہوتے ہیں۔

ایک امید افزا، یہاں تک کہ دعویٰ آغاز، تاہم اگلی ہی مثال میں ہمیں ۶۵ سال کی عمر میں ان کی موت کے بارے میں بتایا گیا ہے جو ایک "شاہانہ سرنی بالوں والے سرپرست" ہیں جو عظیم مردوں اور خواتین کی کمیونٹی کے کیلنڈر میں داخل ہوتے ہیں اور پنجاب اور سندھ میں کی جانے والی تمام تقریبات میں ان کا نام لیا جاتا ہے۔ ان کی موت نہ صرف ایک ممتاز فرد کی ہے بلکہ کوئے کھانے والوں میں خوبصورتی سے پکڑی گئی ایک پوری برادری کے سست لیکن مستقل زوال کا اشارہ ہے۔ ناول کے آگے بڑھتے ہی اختتام اور آغاز ایک دوسرے کا پیچھا کرتے ہیں۔ اختتام کی جھلک کے ساتھ، ہمیں بتایا جاتا ہے کہ فریڈی اپنے خوشحال درمیانی سالوں میں "یادوں اور بیان بازی کا شکار" تھا لیکن اس وقت تک ہم آنے والے دنوں اور ماضی میں پہلے سے موجود دنوں کے بیانیے میں داخل ہونے کے لئے تیار ہیں۔ پہلے باب کا اختتام ہمیں بتاتا ہے کہ ایسے وقت تک فریڈی "مستقبل کا سامنا کرنے کے لئے آزاد" تھا۔ ایک مستقبل جس کا ہمیں ناول میں سامنا ہے اور ایسا کرنے کے بعد، آسانی سے نہیں بھول سکیں گے۔ اس کی پہلی اشاعت کے فوراً بعد کے زمانے میں یہ ناول پڑھنے میں تھوڑا سا عجیب لگتا تھا، انگریزی میں ایک پاکستانی ناول اور بوٹ کرنے کے لیے پوری طرح لطف اندوز تھا۔ اس کے بعد سے بہت سے ایڈیشن معمولی اور سادہ اصل کی جگہ لے چکے ہیں اور پاکستانی ناول فیشن بن چکے ہیں۔ اس کے باوجود 'The Crow Eaters' اس فہرست میں سب سے اوپر ہے؛ منفرد اور خوشگوار۔ ایک بار پھر اس سے گزرتے ہوئے، اس بار اردو میں، جس کا ترجمہ محمد عمر مین نے کیا ہے، اسے ہمیشہ کی طرح دلچسپ پایا گیا۔ یہ تصور کرنا کبھی ناممکن تھا کہ یہ ناول کسی

اور حالت میں موجود ہو سکتا ہے۔ لیکن 'The Crow Eaters' نہ صرف ترجمے کے ذریعے ایک اور سیاق و سباق میں نقل و حمل سے بچنے کا انتظام کرتا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اتنا ہی قابل مطالعہ رہتا ہے جتنا اصل میں تھا۔ یہ نہ صرف اس کی زبان ہے جو 'The Crow Eaters' کو الگ کرتی ہے بلکہ اس کا پورا نقطہ نظر ہے۔ مصنفہ کی ناول کے مرکز میں موجود کمیونٹی سے واضح شفقت کسی بھی طرح اسے اس کے تمام انسانی فوائد پر مذاق اڑانے سے نہیں روکتی۔ مزاح غیر منصفانہ لیکن ناقابل تخیل ہے۔ یہ پاکستانی ناول، فرض کرتے ہوئے کہ ایسی چیز موجود ہے، بلند اور تجربی نظریات کے درمیان اپنا سروانچا رکھنے کی طرف مائل ہے؛ ہر ممکن مقدس گائے کا خیال رکھتے ہوئے۔ لیکن جنگل والا صاحب ایک پیارا، بوڑھا بد معاش ہے نہ کہ نیکی کا پیراگون۔ ”ڈرائی کلیننگ“ انگریزوں کے درمیان دھونے کی اپنی مزاحیہ رسم کے ساتھ مکمل خون آلود ساس جربا نوا یک چیخ ہے۔ لندن کے پولیس اہلکاروں کے ساتھ مواصلات کی اس کی ٹوٹی ہوئی کوششیں ناول کے کچھ مزاحیہ مناظر ہیں۔ اس میں سے کچھ عجیب مزاح کھو گیا ہے، لیکن یہ حیرت انگیز ہے کہ اردو ترجمے میں ناول کا تفریح کا زبردست احساس کیسے سامنے آتا ہے۔

مزاح 'The Crow Eaters' کو جذباتیت سے بچاتا ہے، یہ بیماری اردو ناول میں پائی جاتی ہے، اور یہاں اردو ناول پتسی سدھوا سے ایک یاد و چیزیں سیکھ سکتا ہے۔ یہ اضافی قدر یقیناً ان لوگوں کے لیے ناول کو پسند کرے گی جو پہلی بار اور ترجمہ شدہ شکل میں اس سے رجوع کر رہے ہیں۔ محمد عمر مین نے ترجمے پر بہت تکلیف اٹھائی ہے اور جیسا کہ ان کا طریقہ ہے، متن کے زیادہ سے زیادہ قریب رہنے کی کوشش کی ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات لفظی ہونے کی حد تک بھی۔ ترجمے کے مختصر و بیباچے میں سدھوا کہتی ہیں کہ اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں اگر میں انھیں (محمد عمر مین) کو جینیس کہتی ہوں۔ اس بات کا احساس پتسی سدھوا اور ان کے دوست طارق قریشی کو اس وقت ہوا جب طارق نے ہوسٹن میں پورا مسودہ انھیں صفحہ بہ صفحہ پڑھ کر سنایا، یہاں تک کہ ان کا گلا بیٹھ گیا تھا (1)۔ اس منظوری کی بازگشت سدھوا سے تعلق رکھنے والی ایک بہت مختلف قسم کی مصنفہ بانو قدسیہ نے بھی دی۔ اس کے باوجود بانو قدسیہ ناول سے اپنے مخصوص برانڈ کے تصوف کے کچھ عناصر نکالنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں، خاص طور پر بزدلی کے کردار اور اس کے محبت کے جنون میں مبتلا مجنوں جیسے اعمال میں۔ کیا سدھوا نے بانو قدسیہ کے ’راہ گدھ‘ میں کسی حد تک مزاح کا سراغ لگا کر تعریف واپس کرنے کی کوشش کی؟ خواہش یہی ہے کہ وہ قدسیہ بانو کو غیر حاضری کی چھٹی دے اور اسے دوسرے سیدھے سادے ناولوں کے درمیان ہی اپنی صفائی کی رسم لینے کے لئے کہہ سکے۔ کیا مزہ ہے اگر بانو قدسیہ نے اپنے آپ کو انتظار حسین کی ”بستی“ کے مرکز میں کافی ہاؤس میں چائے کے کپ میں مدعو کیا جہاں اس کے ہائی برو کردار اپنی تاریخ کے جنون میں مبتلا گفتگو کرتے ہیں! بڑے اعتماد کے ساتھ اور ایک خوبصورتی سے تیار کردہ کتاب میں، حقیقی جنگل والا صاحب ایک بار پھر ہمارے درمیان ہیں۔ اردو کو پاکیزہ بنانے کے لئے اپنے پک ویکلین جوش کو کھوئے بغیر۔ تو یہ تھا کچھ کتاب سے متعلق۔ اور اب اگر ہم کچھ مصنفہ اور مترجم کے بارے میں کہیں تو درحقیقت پتسی سدھوا کا شمار انگریزی لکھنے والے ان پاکستانی ادیبوں میں ہوتا ہے جن کے کام کو امریکہ، جرمنی اور برطانیہ سمیت ساری دنیا میں سراہا گیا۔ پتسی سدھوا کراچی میں پیدا ہوئیں۔ لاہور میں پلی بڑھیں۔ کنیر ڈالچ لاہور سے گریجوایشن کی۔ اب تک پانچ ناول لکھ چکی ہیں۔ وہ کمال مہارت سے اپنی پارسی، پنجابی اور پاکستانی

تمام شناختوں سے نباہ کر رہی ہیں جس کا اظہار ان کی تحریروں میں جھلکتا ہے۔ ان کے ناول Ice Candy Man پر ”ارتھ“ کے نام سے فلم بن چکی ہے۔ ادب میں ان کی خدمات کے اعتراف میں حکومت پاکستان نے انیس سو چھیانوے میں انھیں ستارہ امتیاز دیا۔ وہ انیس سو اسی کی دہائی سے امریکہ میں مقیم ہیں۔ جہاں تک اس ناول کے مترجم کی بات ہے تو محمد عمر مبین ۱۹۳۹ء میں پیدا ہوئے۔ ۳۸ برس تک یونیورسٹی آف وسکونسن (امریکہ) میں اردو ادب اور عربی مطالعات کے استاد رہے۔ یونیورسٹی آف وسکونسن سے شائع ہونے والے جریدے ”اینول آف اردو اسٹڈیز“ کے مدیر رہے۔ اردو اور انگریزی میں بے شمار ترجمے کر چکے ہیں۔ ”جنگل والا صاحب“ ان کا ایک ایسا شاندار ترجمہ ہے جسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

'The Crow Eater' اور اس کے اردو ترجمے پر سابقہ مطالعات:

مذکورہ مآخذ متن اور بدنی متن کے علم ترجمہ کے ثقافتی رجحان کے تحت جائزہ کی رو سے، اردو دنیا میں کوئی تحقیقی کام نظر سے نہیں گزرا، مگر پھر بھی کچھ اسکالرز نے مذکورہ انگریزی ناول The Crow Eaters اور محمد عمر مبین کے کیے گئے اردو ترجمے ”جنگل والا صاحب“ کا مختلف نقطہ نظر سے تجزیہ کیا ہے اور معاصر مغربی فکشن کے ترجمے کے مطالعے کے لیے مختلف تجاویز اور خیالات فراہم کرنے کی کوشش کی ہیں۔ اس سلسلے میں آصف فرخی کا کہنا ہے، اس کی پہلی اشاعت کے فوراً بعد ہی میں نے The Crow Eaters پڑھا جو اس وقت تھوڑا سا عجیب تھا، انگریزی میں ایک پاکستانی ناول اور بوٹ کرنے کے لئے پوری طرح لطف اندوز تھا۔ اس کے بعد سے بہت سے ایڈیشن معمولی اور سادہ اصل کی جگہ لے چکے ہیں اور پاکستانی ناول فیشن بن چکے ہیں۔ اس کے باوجود ’دی کرو ایٹرز‘ اس فہرست میں سب سے اوپر ہے، منفرد اور خوشگوار۔ ایک بار پھر اس سے گزرتے ہوئے، اس بار اردو میں، جس کا ترجمہ محمد عمر مبین نے کیا ہے، میں نے اسے ہمیشہ کی طرح خوشگوار پایا۔ یہ تصور کرنا کبھی ناممکن تھا کہ یہ ناول کسی اور حالت میں موجود ہو سکتا ہے۔ لیکن ’دی کرو ایٹرز‘ نہ صرف ترجمے کے ذریعے ایک اور سیاق و سباق میں نقل و حمل سے بچنے کا انتظام کرتا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اتنا ہی قابل مطالعہ رہتا ہے جتنا اصل میں تھا۔ یہ نہ صرف اس کی زبان ہے جو ’دی کرو ایٹرز‘ کو الگ کرتی ہے بلکہ اس کا پورا نقطہ نظر ہے۔ مصنف کی ناول کے مرکز میں موجود کمیونٹی سے واضح شفقت کسی بھی طرح اسے اس کے تمام انسانی فوائد پر مذاق اڑانے سے نہیں روکتی۔ مزاح غیر منصفانہ لیکن ناقابل تسخیر ہے۔ پاکستانی ناول، یہ فرض کرتے ہوئے کہ ایسی چیز موجود ہے، بلند اور تجریدی نظریات کے درمیان اپنا سراونچا رکھنے کی طرف مائل ہے، ہر ممکن مقدس گائے کا خیال رکھتے ہوئے۔ لیکن جنگل والا صاحب ایک پیارا، بوڑھا بد معاش ہے نہ کہ نیکی کا پیراگون، ”ڈرائی کلیننگ“ انگریزوں کے درمیان دھونے کی اپنی مزاحیہ رسم کے ساتھ مکمل خون آلود ایک چیخ ہے۔ لندن کے پولیس اہلکاروں کے ساتھ مواصلات کی ٹوٹی ہوئی کوششیں ناول کے کچھ مزاحیہ مناظر ہیں۔ اس میں سے کچھ عجیب مزاح کھو گیا ہے لیکن یہ حیرت انگیز ہے کہ اردو ترجمے میں ناول کا تفریح کا زبردست احساس کیسے سامنے آتا ہے۔ مزاح ’دی کرو ایٹرز‘ کو بیان بازی اور جذباتیت سے بچاتا ہے۔ دونوں عام بیماریاں اردو ناول میں پائی جاتی ہیں، اور یہاں یہ پسی سدھو سے ایک یاد دہانی سیکھ سکتا ہے۔ یہ اضافی قدر یقیناً ان لوگوں کے لئے ناول کو پسند کرے گی جو پہلی بار اور ترجمہ شدہ شکل میں اس سے رجوع کر رہے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ پروفیسر مبین نے ترجمے پر بہت تکلیف اٹھائی ہے اور جیسا کہ ان کا طریقہ ہے، متن کے زیادہ سے زیادہ قریب رہنے

کی کوشش کی ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات لفظی ہونے کی حد تک بھی (۲)۔ عمر مین کے بقول، یہ ان دونوں میں سے ایک ہے جن کا ترجمہ کرنا مجھے بہت مشکل لگا ہے۔ پسی جنوبی ایشیا کے عجیب و غریب مزاج کو برٹش کی زبان تک پہنچا رہی تھی۔ اسے دوبارہ اردو میں بحال کرنا کافی مشکل تھا۔ لیکن پسی کو یہ اس وقت پسند آیا جب اس کے ایک دوست نے اسے پڑھا اور عجیبہ عارف، جنہوں نے مسودہ پڑھا، نے سوچا کہ یہ میرا بہترین ترجمہ ہے۔ صرف میں جانتا ہوں کہ میں نے کہاں ٹھوکر کھائی ہے اور گوف کیا ہے۔ آپ دیکھیں، زبانوں کی ناقابل تخیل حدود ہوتی ہیں۔ آپ کو ان کے درمیان کامیابی سے بات چیت کرنے کے لئے ایک ٹریپیز آرٹسٹ کی چستی اور جرات کی ضرورت ہے۔ لیکن بعض اوقات ایسا ہوتا ہے جب آپ گر جاتے ہیں (۳)۔ پسی کا خود اس ترجمے اور مترجم کے بارے میں کہنا ہے، جب میرا دوست طارق قریشی مین صاحب کے بھیجے ہوئے صفحات پڑھ رہا تھا تو ہم دونوں اکثر قہقہوں میں پھوٹ پڑتے تھے اور بعض اوقات ایک دوسرے کو مترجم کی اس مہارت سے بھی حیرانی سے دیکھتے تھے کہ کتاب کے اندر لسانی باریکیوں کو حیرت انگیز طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ آخر کار، ہم دو بالکل مختلف محاوروں سے نمٹ رہے ہیں۔ مین صاحب شکایت کرتے رہے کہ ترجمہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔ یہ شاید تھا، لیکن انہوں نے تحریری انصاف کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ لوگ ان کی زبان اور مہارت کی بے حد تعریف اور تعریف کریں گے، میں یقیناً کرتی ہوں (۴)۔

آندرے لیفور (۵)، جنہوں نے متضاد ادب Contrastive Literature کا مطالعہ کیا تھا، اُن کا نظریہ مکرر تحریر (Rewriting theory) ترجمہ اور ثقافت کے درمیان باہمی تعلق کے ساتھ ساتھ ترجمے پر ثقافتی پابندی پر زور دیتا ہے [برائے مزید تفصیل راقم کا مضمون ’جرنل آف ریسرچ (اردو)‘، شمارہ نمبر ۳۸ جلد نمبر ۲ ملاحظہ کیجیے]۔ اس نظریے کی روشنی میں پسی سدھوا کے متذکرہ ناول اور محمد عمر مین کے ترجمے کا تجزیہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

نتائج اور تبادلہ خیال (Results and Discussion):

مترجم کو ہدنی سماجی نظریے کے تحت کس طرح محدود کیا جاتا ہے، تاکہ اصل متن کو دوبارہ لکھا جاسکے، جس سے انگریزی کام اور اردو ورژن کے درمیان زبان کے اظہار میں فرق پیدا ہوتا ہے۔ انگریزی سیاق و سباق کے کچھ تصورات اور اظہار کو ہدنی قارئین آسانی سے سمجھ سکتے ہیں اور قبول کر سکتے ہیں۔ اصل متن سے ذیل کے اقتباسات وضاحت کے لیے ہیں:

جدول 1: ماخذی متن سے کیے گئے ہدنی متن ترجمے کا سماجی نظریے سے جائزہ

ماخذی متن (Source Text)	ہدنی متن (Target Text)
1. An unseating feature of this microscopic merchant community was its compelling sense of duty and obligations towards other Parsis. Like one large close-knit family, they assisted each other, sharing success and rallying to support failure. (6)	۱۔ اس من موہن کاروباری جماعت کا ایک ناگزیر وصف اس کا پارسیوں کے لیے شدید احساس ذمہ داری تھا۔ ایک خوب پھیلے اور باہم شکر گھرانے کی طرح، یہ ایک دوسرے کی مدد کرتے۔ کامیابیوں میں شریک ہوتے اور ناکامیوں میں پشت پناہی کرتے۔ (۹)

2. Wait, man, I will undo your braces', she said in English, sinking to her knees beside him. (7)	۲۔ Wait, man, I will undo your braces لڑکی نے انگریزی میں کہا اور اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ (۱۰)
3. And once, " Why you got no breast?" she asked, reproachfully thrushing her own abundance forward and patting Mary' s flat chest. 'Not good. Poor Charlie!' (8)	۳۔ اور ایک بار، ”وہائے یو گوت نو بریسٹ؟“ (تمہارے چھاتیوں کیوں نہیں؟) اس نے اپنی تھل تھلاتی چھاتیاں آگے نکال کر اور میری کی سپاٹ چوچیاں تھپتھپاتے ہوئے پوچھا۔ ”ناٹ گڈ۔ پور چارلی!“ (یہ ٹھیک نہیں۔ بچارہ چارلی!) (۱۱)

مثال 1: درج ذیل ہدفی متن میں مترجم ”من موہن کاروباری جماعت“، اور ”باہم شیر و شکر گھرانے کی طرح“، جیسے عمدہ الفاظ و تراکیب کو بڑی ہی عمدگی سے microscopic merchant community اور like one large close knit family جیسے انگریزی الفاظ و تراکیب کے متبادل برتنا ہے۔ یہ اور اس جیسے بہت سے الفاظ و تراکیب ہیں جو کہ مترجم کے خود اپنے وضع کردہ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ ناصرف مترجم کے ہوشیار ترجمے کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ اردو دنیا کے سماجی نظریے کے ترجمے پر کنٹرول کی بھی عکاسی کرتے ہیں۔

مثال 2: دیکھا جائے تو The Crow Eaters کا ترجمہ بڑا مشکل کام تھا اور مترجم کو اس میں واقعی سخت محنت کرنی پڑی ہوگی۔ پارسی گھرانوں کے رسم و رواج، طرز زندگی اور اینگلو انڈین طرز گفتگو اور انگریزی طرز زندگی کے بیانیے میں جتنا کمال مصنف نے دکھایا ہے، اتنا ہی مترجم نے بھی دکھایا ہے۔ یہ درحقیقت بھرپور انداز میں سماجی نظریے کے ترجمے پر کنٹرول کی عکاسی ہے۔

مثال 3: ناول کی ایک اہم خاصیت مختلف افراد کے درمیان ہونے والی گفتگو ہوتی ہے۔ اس ناول میں کرداروں کے درمیان ہونے والی گفتگو کو جس میں زیر سطح لہروں کی فراوانی ہے، اردو میں منتقل کرنا آسان نہیں تھا۔ یہ گفتگو مترجم نے اتنی استادی سے لکھی ہے کہ ان کا ترجمہ کتاب کی روح اور متن کا بھرپور ترجمان ہے۔ جو کہ اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ مترجم کو نہ صرف سماجی پس منظر کا خوب ادراک ہے بلکہ یہ اردو دنیا کی معاشرت کے عین مطابق بھی ہے۔

مترجم کے نظریات کے ترجمے پر اثرات:

اوپر بیان کردہ سماجی نظریے کے علاوہ انفرادی نظریے بھی ترجمے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مترجم ترجمے کے قریب ترین ہے اور مترجم کے نظریے کی تبدیلی کا ترجمے پر بہت اثر پڑے گا۔ یہاں ذاتی نظریے سے مراد ان عقائد کا ایک مجموعہ ہے جو لوگوں کے طرز عمل کو متاثر کرتے ہیں، خاص طور پر وہ جو کسی خاص گروہ کے پاس ہوتے ہیں۔ آگے چل کر ناول کے کرداروں اور ناول کے ترجمے کے عمل میں پیدا ہونے والے کچھ تعلق کے بارے میں ان کے تاثر کو کھوجا جائے گا تاکہ پورے ناول کے ترجمے پر مترجم کے ذاتی اثرات کا تجزیہ کیا جاسکے۔ درحقیقت، جب محمد عمر میمن نے اس ناول کا ترجمہ کیا

تو اس کے پیش نظر یہی تھا کہ ایک فن پارے کی تفہیم کے معاملے میں کسی خاص مفہوم پر اصرار کوئی بہت زیادہ بہت معتبر اور صائب طریقہ کار نہیں۔ اور نہ لسانی فنون کے معاملے میں صحیح اور غیر صحیح پر ضد ہی۔ ہر وہ لفظ جو تخلیقی طور پر استعمال کیا گیا ہو، اپنے میں بڑی ہفت پہلو اور تابدار کائنات کا حامل ہوتا ہے۔ ترجمہ کار اس میں وہی سب دیکھتے ہیں جو ان کے ترجمے کے تجربے کے حسب حال ہو اور اس کے اظہار میں اپنے وقت کی رائج زبان ضروری ترائیم کے ساتھ استعمال کرتے ہیں^(۱۲)۔ بہر حال، ان مذکورہ باتوں کے ساتھ ساتھ جب ہم گہرائی سے اس ناول کا جائزہ لیں تو یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ مترجم کو نہ صرف مصنف کے پس منظر کا ایک خاص ادراک ہے بلکہ مصنف کے تحریری انداز کا بھی خاصا پتا ہے۔ اب آئیے ان باتوں کی مزید وضاحت اصل متن سے مندرجہ ذیل اقتباسات کے ذریعے کرتے ہیں:

جدول 2: ماخذ متن سے کیے گئے ہدفی متنی ترجمے کا مترجم کے نظریے کے تحت جائزہ

ماخذی متن (Source Text)	ہدفی متن (Target Text)
4. 'And where, if I may ask, does the sun rise?' 'No, not in the East. For us it rises- and sets- in the Englishman's arse. They are our sovereigns!' ⁽¹³⁾	۴۔ "اچھا، اگر پوچھ سکوں تو، بتاؤ، سورج کہاں سے نکلتا ہے؟" "نہیں، مشرق میں نہیں۔ ہمارے لیے یہ انگریز کے چوڑوں میں نکلتا ہے اور غروب بھی وہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمارے حاکم ہیں!" ^(۱۵)
5. One day Allen confessed he couldn't get his prick up. "On account of this bloody heat." He was an obliging bastard, so I helped him. ⁽¹⁴⁾	۵۔ ایک دن الین نے اعتراف کیا کہ اس کا بھٹو کھڑا نہیں ہوتا۔ "اس بلڈی گرمی کی وجہ سے"، اس نے بتایا۔ بڑا بامروت حرامزادہ تھا۔ ^(۱۶)

مثال 4: ہدفی متن میں مترجم Englishman's arse کو "انگریز کے چوڑے" مکرر تحریر کرتا ہے، جس سے مترجم کے نظریے کی تصدیق ہوتی ہے۔

مثال 5: مندرجہ بالا جملے میں دلکش عمل کی عکاسی کی گئی ہے۔ بپسی کا 'his prick up' کہنا معنی خیز ہے تو عمریمین کا 'اس کا بھٹو' کہنا بھی لا جواب ہے۔

مندرجہ بالا تجزیے سے دیکھا جاسکتا ہے کہ ناول کے ترجمے میں مترجم کے نظریے کا اثر کرداروں کی تشکیل پر پڑے گا، جس کے نتیجے میں ہدفی زبان کے قارئین کو ناول کے کرداروں کی تفہیم حاصل ہوگی۔ ترجمے کے عمل میں مترجم کے نظریے کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

شعریات کے ذریعے گھڑ کیے گئے انگریزی اور اردو متون کے درمیان فرق:

جدول 3: ماخذ متن سے کیے گئے ہدفی متنی ترجمے کا اشارے کنائے اور لوک کہاوتوں کے تناظر میں جائزہ

ماخذی متن (Source Text)	ہدفی متن (Target Text)
6. What makes you tolerate someone you'd rather spit in the eye? What subdues that great big "I", the monstrous ego in a person? Need, I tell you-will force you to love your enemy as a brother!'. (17)	۶۔ وہ آدمی جو تھوکنے کے قابل ہے، تم اسے کس وجہ سے برداشت کر لیتے ہو؟ وہ کیا چیز ہے جو اس گرائڈیل 'میں' کے گھٹنے لگوادیتی ہے، وہ جناتی انا؟ سو میری بات گرہ میں باندھ لو، 'غرض' تمہیں دشمن سے بھائی کی طرح محبت کرنے پر مجبور کر دیتی ہے! (۲۰)
7. 'Yes, I've been all things to all people in my time. There was that bumptious son-of-a-bitch in Peshawar called Colonel Williams. I cooed to him- salaamed so low I got a crick in my balls-buttered and marmaladed him. (18)	۷۔ ہاں، بالکل، اپنے وقت میں سب کے لیے میں بھی وہی بن گیا جو وہ چاہتے تھے۔ اب پشاور کے اس خردماغ کتے کے بچے کرنل ولیمز کو لے لو۔ میں نے اس کے سامنے غمغموں کی، ایسے ایسے فرشی سلام کیے کہ انٹھن میں اٹھن ہوئے لگتی تھی۔ مسک لگانا تو کیا میں نے تو اسے مارملیڈ تک لگایا۔ (۲۱)
7. 'Oh yes, in looking after our interests we have maintained our strength- the strength to advance the grand Cosmic plan of Ahura Mazda- the deep spiritual law which governs the universe, the path of Asha. (19)	۸۔ "ہاں، بالکل، اپنے مفادات کی رکھوالی کر کے ہی ہم نیا پٹی طاقت کو قائم رکھا ہے۔ اہورامزدا کے عظیم آفاقی منصوبے کو بڑھاوا دینے کی طاقت۔ وہ عمیق روحانی دستور جو پوری کائنات کو چلاتا ہے، 'آشا' کا راستہ۔ (۲۲)

اوپر جدول میں موجود مثالوں کے ساتھ ایک چیز مشترک میں پائی جاسکتی ہے: اصل متن مختصر اور براہ راست ہے، جبکہ ترجمہ خصوصیات کے ساتھ بھرپور اور دلچسپ ہے۔

مثال 6: اس میں "I"، "great big"، اور "the monstrous ego" کو بالترتیب "میں"، "گرائڈیل" اور "جناتی انا"، مکرر تحریر کیا گیا ہے۔ مترجم کے برتنے گئے یہ متبادل الفاظ لوک نظریات کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔

مثال 7: عمرمیں cooed to him کو "اس کے سامنے غمغموں کی" اور salaamed so low کو "ایسے ایسے فرشی سلام کیے" سے مکرر تحریر کرتا ہے، جو کہ محاورہ بولے جاتے ہیں اور جن سے مقامی سطح پر کسی شخص کی اپنے مفادات کے حصول کے لیے ارباب اقتدار و اختیار کے سامنے انتہائی خوشامد کرنا مراد لیا جاتا ہے۔ یہ الفاظ اپنے اندر اشارے کنائے کی خاصیت بھی رکھتے ہیں۔ دیکھا جائے تو یہاں ترجمہ اصل سے بھی زیادہ معنی خیز ہے۔

مثال 8: ”اہورامزدا کے عظیم آفاقی منصوبے“ کو the grand cosmic plan of Ahura Mazda سے مکرر تحریر کیا گیا ہے۔ دراصل یہ اپنے اندر اشارے کنائے کی خوبی لیے ہوئے ہے۔ مترجم اس اصطلاح کو بول کر ان تمام نظریات و مقاصد کی کارفرمائی سامنے لے آیا ہے جو پوری پارسی قوم کے پیش نظر تھے۔ اور جن کی تکمیل کے لیے ہر ایک اپنے اپنے انداز سے پر عظم تھا۔

بیان بازی کے آلات شامل کر کے ترجمے میں دکھایا گیا فرق:

جدول 4: مآخذ متن سے کیے گئے ہدفی ترمیمی ترجمے کا بیان بازی کے آلات شامل کرنے کے نتیجے میں پیدا شدہ فرق کا جائزہ

ماخذی متن (Source Text)	ہدفی متن (Target Text)
9. 'Ah, my sweet little innocents,' he went on, 'I have never permitted pride and arrogance to stand in my way. Where would I be had I made a delicate flower of my pride and sat my delicate bum on it? I followed the dictates of my needs, my wants- they make one flexible, elastic, and humble. (23)	۹۔ ”آہ، میرے پیارے ننھے معصومو،“ اس نے بات جاری رکھی، ”میں نے بڑے پن اور گھمنڈ کو اپنی راہ کاروڑا نہیں بننے دیا۔ اگر میں نے اپنی توقیر کو ایک نازک پھول بنا دیا ہوتا اور اپنے نازک چوڑا اس پر رکھ کر بیٹھ گیا ہوتا تو آج کہاں ہوتا؟ جو حکم میری ضرورت، میری خواہشات نے دیا، میں نے وہی کیا۔ یہ آدمی میں لوچ پیدا کرتی ہیں۔ اسے چلیلا اور خاکسار بناتی ہیں۔ (۲۶)
10. The sisters and a collection of aunts and cousins sang traditional ditties while Rodabai garlanded Billy. She gave him the little envelope containing the 'token money'. She gave him a heavy gold watch on a chain and told him to step off- right leg first. (24)	۱۰۔ ایک ٹولی نے لگن کے روایتی گانے گائے گا؟ اور روڈا بائی نے بلی کو پھولوں کی مالا پہنائی۔ انھوں نے بلی کو چھوٹا سا لغانف دیاجس میں ”زعلامت تھا“۔ ایک بھاری طلائی جیبی گھڑی مع زنجیر دی اور کہا کہ چوکی سے اترے، دایاں پیر پہلے (۲۷)
11. They saw grubby Englishmen, in ill-fitted woolen garments, scurry past with faces that betokened a concern with the ordinary aspects of life. (25)	۱۱۔ انھیں گندے، غلیظ انگریز دکھائی دیے۔ اپنے ناپ سے بڑے یا تنگ اونٹنی کپڑے پہنے ہوئے یہ بسرعت پاس سے گزر جاتے، چہروں سے ظاہر ہوتا جیسے زندگی کی عام فکروں میں ڈوبے ہوئے ہوں۔ (۲۸)

انگریزی متن میں کوئی خاص بیان بازی کا آلہ نہیں۔ لیکن تمثیل، استعارہ اور مبالغہ آمیزی جیسے بیان بازی کے آلات شامل کرتے ہوئے مترجم ناول کے ترجمے میں ادبی ذائقہ شامل کرتا ہے۔

مثال 9: دراصل ناول کا نمایاں حصہ فریڈی کی شاندار خطابت پر مشتمل ہے۔ خطابت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک وہ جسے سنتے ہوئے آپ اوگھنے لگتے ہیں اور دوسری وہ جس میں سننے والوں کو پلک جھپکنے کی مہلت بھی نہیں ملتی۔ اس ناول کی خاص بات یہ ہے کہ جو خطیبانہ الفاظ مصنفہ نے برتے، اسی طرح کے پرشکوہ الفاظ مترجم نے برتے ہیں۔ جیسا کہ اس مثال سے بھی ظاہر ہے۔

مثال 10: اس مثال پر غور کریں تو معلوم ہو سکتا ہے کہ ماخذ متن میں مصنفہ جزئیات نگاری سے جو جادو جگاتی ہے وہ ہر پڑھنے والے کے سر چڑھ کر بولنے لگتا ہے۔ اور پھر انہی احساسات کا مترجم کے دماغ میں ہدفی متن کی عمیق ترکیب میں منتقلی کے بعد ہدفی متن کی سطحی ترکیب کے پیکر میں سامنے آنا، درحقیقت اس بات کا غماز ہے کہ مترجم کمال کا کرافٹس مین ہے۔

مثال 11: اس مثال پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ماخذ متن کی سطحی تراکیبی ساختی خصوصیات ترجمے کے عمل کے دوران ہدفی متن کی عمیق تراکیبی ساختی خصوصیات میں منتقل ہو کر پھر سے سطحی تراکیب میں بڑی ہی کامیابی سے منتقل ہوئی ہے۔ جو کہ مترجم کی کمال صناعی کا ثبوت ہے۔

مندرجہ بالا تجزیے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اصل انگریزی زبان کی نسبت اردو ترجمے میں عمر مین بے شمار بیان بازی کے آلات لاگو کرتا ہے جس سے متن کو پڑھنا مزید دلچسپ ہو جاتا ہے۔

ناول کی مقبولیت کی وجوہات:

پپسی سدھوا کا اپنے گروہ (پارسی) کے کچھ اذلی کرداروں کا مطالعہ، بیک وقت ایک سماجی اور ادبی دستاویز کے طور پر، محض تعریف سے کہیں زیادہ کا مستحق ہے۔ روزمرہ زندگی میں پارسی ہمیشہ ہی بڑھ چڑھ کر نمایاں رہے ہیں۔ اس پس منظر کے پس پردہ کیا ہوتا ہے، ہم میں سے اکثر لوگوں کے لیے کسی نادیدہ جہان کی طرح دور دراز اور پراسرار رہا ہے۔ پپسی سدھوا نے ہمارے لیے اس دنیا کی پہنائیوں کے تمام در اور در تپچے وا کر دیے ہیں۔ بے رحمانہ راست گوا اور حد درجہ حساس پپسی اپنی کہانی رندانہ بے باکی، صاف گوئی اور شگفتگی سے سناتی ہیں۔ یہ روداد یا انکشاف ان کے ارباب کو پسند آئے یا نہ آئے، لیکن اس کتاب کے ہر قاری کو اس نے پپسی کا گرویدہ ضرور بنالیا ہے۔ اس کے علاوہ، اصل انگریزی تصنیف اور اس کے اردو ترجمے میں نظریے اور شعریات کے اختلافات ہیں۔ عمر مین ترجمے کے عمل کے دوران ترجمہ شدہ ورژن کے نظریے اور شعریات کو اردو دنیا کی ترجیحات کے قریب لایا ہے۔ یہ بھی ایک اہم وجہ ہے کہ یہ ناول اردو میں مقبول ہے۔

محاکمہ:

یہ مطالعہ آندرے لیفیور کے نظریہ مکرر تحریر کا اطلاق کرتے ہوئے پپسی سدھوا کے انگریزی ناول The Crow Eaters کے اردو ترجمے اور اصل انگریزی ورژن کا نظریہ اور شعریات کے نقطہ نظر سے تخالفی تجزیہ کرتا ہے۔ نظریہ مکرر تحریر عصری سماجی حقیقت نگاری کے حامل ناولوں کے ترجمے کے لیے ایک نیا نقطہ نظر فراہم کرتا ہے، یعنی نہ صرف زبان کی سطح کے نقطہ نظر سے ترجمہ شدہ کاموں کا مطالعہ کرنا بلکہ ماخذ متن پر بیرونی اور ماحولیاتی عوامل کے اثرات پر بھی غور

کرنا۔ تفصیلی تجزیے کے بعد، لیفیلور کے نظریہ مکرر تحریر کی رو سے، ”جنگل والا صاحب“ کے عنوان سے عمر مبین کا اردو متن اصل متن کی مکرر تحریر ہے، جو نظریے اور شعریات سے متاثر ہے۔ جہاں تک نظریے کا تعلق ہے، اردو مترجم عمر مبین پر سماجی نظریے کے اثرات اور کرداروں کے بارے میں ان کی سمجھ نے دونوں متون کے درمیان زبان کے اختلافات کو پیدا کیا ہے۔ شعریات کے نقطہ نظر سے، اصل انگریزی متن کی اصطلاحات کو سمجھنا نسبتاً آسان ہے جبکہ اردو مترجم دلچسپی پیدا کرنے کے لئے بڑی تعداد میں اشارے کنائے، لوک کہاوٹیں اور بیان بازی کے آلات استعمال کرتا ہے۔ نظریہ مکرر تحریر کی رو سے، دو متون کا یہ تخالفی تجزیہ ناولوں کے ترجمے کے مطالعے کے لیے ایک بالکل مختلف نقطہ نظر فراہم کرتا ہے کیونکہ ترجمے کے مطالعے محض لسانی سطح تک محدود نہیں ہیں بلکہ ثقافت اور معاشرے جیسی بڑی سطح تک بھی ہیں۔

حوالہ جات

- ۱۔ ہنسی سدھوا: اظہارِ تشکر: جنگل والا صاحب، از: محمد عمر مبین، (لاہور: القابلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ص xii، xiii
- ۲۔ اصل انگریزی الفاظ یوں ہیں:

“It was soon after its first publication that I read *The Crow Eaters*, a bit of an oddity then, a Pakistani novel in English and thoroughly enjoyable to boot. Since then, many editions have replaced the modest and simple original one and Pakistani novels have become fashionable. Yet *The Crow Eaters* remains at the top of the list, unique and delightful. Going through it once again, this time in Urdu, translated by Muhammad Umer Memon, I found it as engaging as ever. It was once impossible to imagine that this novel could exist in any other condition. But *The Crow Eaters* not only manages to survive transportation into another context through translation, but at the same time remains as readable as it originally was.

It is not only its language which sets *The Crow Eaters* apart but its entire approach. The author's obvious affection for the community at the heart of the novel in no way prevents her from poking fun at its all too human foibles. The humour is irreverent but irresistible. The Pakistani novel, assuming that

such a thing exists, is inclined to hold its head high among lofty and abstract ideals, being mindful of all possible Sacred Cows. But Junglewalla Sahib is a lovable old rogue and not a paragon of virtue. The full-blooded mother-in-law Jerbanoo, with her hilarious ritual of washing among the “dry- cleaning” Englishmen, is a scream. Her broken attempts at communication with London policemen are some of the funniest scenes in the novel. Some of that quirky humour is lost but it is wonderful how the novel’s great sense of fun comes across in the Urdu translation.

Humour saves The Crow Eaters from rhetoric and sentimentality, both common ailments found in the Urdu novel, and here it could learn a thing or two from Bapsi Sidhwa. This added value will certainly endear the novel to those who are approaching it for the first time and in a translated form. It is evident that Professor Memon has taken great pains over the translation and as is his method, tried to stay as close to the text as possible, even to the extent of being literal at times.”

[<https://www.dawn.com/news/734320/cover-story-review-of-the-crow-eaters-in-urdu>]

۳۔ محمد عمر مبین کے الفاظ کچھ یوں تھے:

“It is one of the two novels I’ve found very challenging to translate. Bapsi was transporting peculiar South Asian humour to the language of the Brits. Rehabilitating it back into Urdu was quite daunting. But Bapsi liked it when she had a friend read it to her. And Najeeba Arif, who read the draft, thought it was my best translation. Only I know where I’ve stumbled and goofed. You see, languages have unassailable boundaries. You need the agility and daring of a trapeze artist to negotiate successfully between them. But there are times when you take a fall.”

[<https://www.dawn.com/news/734320/cover-story-review-of-the-crow-eaters-in-urdu>]

۴۔ پتسی سدھوا کے الفاظ میں:

“As my friend Tariq Kureshi was reading the pages Memon Sahib had sent to me, we would both burst into laughter quite often, and at times also look at each other in awe of the translator's skill in conveying so marvellously the linguistic subtleties within the book. After all, we're dealing with two entirely different idioms. Memon Sahib kept complaining that it was a very difficult book to translate. It probably was, but he has done the writing justice and I'm sure people are going to admire and appreciate his language and skill enormously. I certainly do.”

[https://www.dawn.com/news/734320/cover-story-review-of-the-crow-eaters-in-urdu]

۵۔ آندرے الفونس لیونیور تریجے کے فن کے حوالے سے ایک نظریہ ساز تھے۔ انھوں نے یونیورسٹی آف گیٹ سے تعلیم حاصل کی تھی اور پھر ۱۹۷۲ء میں اسیکس یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ جب وہ شدید لیوکیمیا کی وجہ سے انتقال کر گئے تو وہ آسٹن میں ٹیکساس یونیورسٹی میں جرمن مطالعات کے پروفیسر تھے۔

۶۔ پتسی سدھوا، The Crow Eaters، (لاہور: علمی پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۸ء)، ص ۱۶

۷۔ ایضاً، ص ۱۰۳

۸۔ ایضاً، ص ۱۹۵

۹۔ محمد عمر مین، جنگل والا صاحب، (لاہور: القابلی کیشنز، ۲۰۱۲ء)، ترجمہ ”دی کرو ایٹرز“، از: پتسی سدھوا، ص ۱۵

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۴۷

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۸۳

۱۲۔ محمد عمر مین، مصری کی ڈلی یا سفید چینی: ترجمہ نگاری اور اس کے آزار، مشمولہ: بنیاد، (لاہور: گورمانی مرکز لٹریچر، ۲۰۱۴ء)،

جلد ۵، ص ۱۸۰

۱۳۔ پتسی سدھوا، The Crow Eaters، ص ۱۰

۱۴۔ ایضاً، ص ۹

۱۵۔ محمد عمر مین، جنگل والا صاحب، ص ۲

۱۶۔ ایضاً، ص ۳

۱۷۔ پتسی سدھوا، The Crow Eaters، ص ۸-۹

۱۸۔ ایضاً، ص ۹



- ۱۹- ایضاً، ص ۱۰
 ۲۰- محمد عمر مبین، جنگل والا صاحب، ص ۲
 ۲۱- ایضاً، ص ۲
 ۲۲- ایضاً، ص ۵
 ۲۳- پتسی سدھوا، The Crow Eaters، ص ۹
 ۲۴- ایضاً، ص ۱۶۰
 ۲۵- ایضاً، ص ۱۹۳
 ۲۶- محمد عمر مبین، جنگل والا صاحب، ص ۳
 ۲۷- ایضاً، ص ۲۳۲
 ۲۸- ایضاً، ص ۲۷۹

